از ڈاکٹر زبیر احمد
ترجمہ شاہد حسین رزاقی

برِعظیم پاک و ہند کا عربی ادب
تصوّف اور اخلاقیات

برعظیم پاک و ہند میں تفسیر، حدیث اور فقہ سے متعلق عربی میں جو کتابیں لکھی گئیں اُن کا ذکر تفصیل سے کیا جا چکا ہے۔ اب اس باب میں عربی ادب کے ایک ایسے شعبے میں پاک و ہند کے حصے کا ذکر کیا جا رہا ہے جو اگرچہ اسلامی دینیات سے متعلق ہے تاہم وہ اعتقادی سے زیادہ بنیادی ہے۔ اس میں سخت گیری سے زیادہ رواداری پائی جاتی ہے اور استدلال سے زیادہ دلکشی و یقین آفرینی ہے۔ اس ادب کا تعلق مسلمان کی باطنی زندگی سے ہے اور یہ اسلام کے جذباتی فلسفے کا حامل ہے۔

ہندی مفکروں نے جب عربی میں لکھنا شروع کیا تو شیخ ابونصر (۳۷۰ھ - ۹۸۰ء) کی کتاب "اللمع" قشیری (۴۶۵ھ - ۱۰۷۲ء) کی "الرسالۃ القشیریہ" شہاب الدین سہروردی (۶۳۲ھ - ۱۲۳۴ء) کی عوارف المعارف اور ابن عربی (۶۳۸ھ - ۱۲۴۰ء) کی فصوص الحکم جیسی بلند پایہ تصانیف تصوف سے متعلق لکھی جا چکی تھیں۔ اور تصوف نے ایک واضح شکل اختیار کر لی تھی۔ جسے ہندی صوفیا نے بھی دوسرے ممالک کے صوفیا کی طرح قبول کر لیا تھا۔ چنانچہ پاک و ہند میں تصوف سے متعلق عربی میں جو کتابیں لکھی گئیں اُن کا انداز وہی تھا جو پرانی تصانیف کا تھا اور ان میں پُرانے اور مانوس موضوعات کا اعادہ کیا گیا تھا۔

اب یہ نظریہ مسترد کر دیا گیا ہے کہ اسلامی تصوف ہندی افکار کی پیداوار تھا اور جدید تحقیقات سے یہ ظاہر ہوا ہے کہ اسلامی تصوف مختلف افکار کا مجموعہ ہے جو مختلف مآخذ سے حاصل کئے گئے ہیں۔ جن میں بُدھ مت بھی شامل ہے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اگر اسلامی فلسفہ ہندی افکار سے کبھی متاثر ہوا تو اُس پر یہ اثرات ہند سے باہر یعنی مشرقی ایران اور ماوراء النہر میں پڑے جہاں گیارھویں صدی میں بُدھ مت کی تعلیمات کا کافی اثر تھا۔ راقم الحروف کا یہ خیال ہے کہ اسلامی فلسفہ ہند میں ایک مکمل شکل میں آیا

اور اس کے بعد اس نے ویدانتی یا کسی اور ہندی فلسفہ کے عناصر کو قبول نہیں کیا۔ ہند میں تصوف پر جو کتابیں لکھی گئیں ان میں کوئی چیز ابتدائی دور کے تصوف سے جو مسلمان ہند میں لائے تھے، مختلف نہیں پائی جاتی۔ سوا اس کے کہ بعض تصانیف میں علم نجوم سے متعلق حوالے بھی آگئے ہیں۔

اس برِعظیم میں تصوف اور اس سے متعلق موضوعات پر عربی میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں اُن میں بیس سے زیادہ قابل ذکر ہیں —— اور ان کی تقسیم ذیل کے عنوانات کے تحت، یوں کی جا سکتی ہے :-

(۱) دینی نقطۂ نظر سے طریقہ کی حمایت۔ ۳ کتابیں (۲) علم تصوف ۶۔ کتابیں (۳) منظوم تصانیف ایک کتاب (۴) معمولات ومشاغل ۲ کتابیں (۵) الہام متصوفانہ ملفوظات ایک کتاب (۶) اخلاقی اور متصوفانہ اقوال کے مجموعے ۲ کتابیں (۷) بیرونِ ہند لکھی ہوئی تصانیف کی شرحیں ۲۔ کتابیں (۸) حلت وحُرمتِ سماع ۳۔ کتابیں (۹) رسولِ کریمؐ پر درود بھیجنے کے طریقے ۲ کتابیں۔ جملہ ۲۲۔ کتابیں۔

لوائح الانوار فی الرد علی من انکر علی العارفین من لطائف الاسرار

از : سراج الدین عمر بن اسحاق

اس کتاب کے مصنف سراج الدین عمر بن اسحٰق ہیں، جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ یہ کتاب انہوں نے ایک سوال کے جواب میں لکھی تھی کہ کیا ایک صوفی کو اس بنا پر گناہ گار کہا جا سکتا ہے کہ اس نے مندرجہ ذیل اشعار میں لیلۃ القدر کو لیلۃ التجلّی سے کم تر قرار دیا ہے ؎

تجلی باوصاف الجمال فشاهدت　　عیون قلوب ما به حارذو الفکر

فیا لیلة فیها السعادات والمنیٰ　　لقد صغرت فی جنبها لیلة القدر

ترجمہ : "وہ تمام جمالی صفات کے ساتھ جلوہ گر ہوا اور دل کی آنکھوں نے وہ کچھ دیکھا جس سے مفکر حیران رہ جائے۔ ہائے وہ رات جس میں سعادتیں اور آرزوئیں تھیں جس کے مقابلے میں شب قدر بھی کم تر تھی"۔

مصنف نے اس کتاب کا آغاز حمد اور نعت سے کیا ہے اور اس کے بعد معرفت پر تفصیلی بحث کر کے صوفی کے حق میں فیصلہ کیا ہے۔

القول الجمیل فی بیان سواء السبیل از شاہ ولی اللہؒ

یہ کتاب شاہ ولی اللہؒ نے لکھی ہے اور یہ کئی ابواب میں تقسیم کی گئی ہے۔ پہلا باب بیعت کی ماہیت اور رُوح سے متعلق ہے۔ دوسرے باب میں سالکوں کے مختلف مدارج بیان کئے گئے ہیں۔ تیسرے چوتھے اور پانچویں باب میں صوفیا کے قادری، چشتی اور نقشبندی سلسلوں کے معمولات اور مشاغل قلم بند کئے گئے ہیں اور چھٹا باب مرشد سے نسبت کی اہمیت کے بارے میں ہے۔

اس کتاب میں جن اہم نکات پر بحث کی گئی ہے، ان کے پیش نظر اس پر سرسری تبصرہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے سب سے پہلے مصنف نے بیعت کے آغاز پر روشنی ڈالی ہے، اور یہ لکھا ہے کہ آغاز اسلام میں بیعت کی پانچ قسمیں تھیں۔ سیاسی طور پر خلیفہ کی اطاعت قبول کرنے کی بیعت، اسلام قبول کرتے وقت کی بیعت، ہجرت کرتے وقت کی بیعت، جہاد میں ثابت قدم رہنے کی بیعت اور دینی اور پاکیزہ زندگی بسر کرنے کے عہد کے طور پر بیعت۔ بیعت کی اس آخری قسم کو انہوں نے طریقہ کی ہم معنی قرار دیا ہے اور اس کو ایک سنت کہا ہے، کیونکہ مستند احادیث سے یہ ثابت ہے کہ آنحضرتؐ نے متعدد موقعوں پر مسلمان مردوں اور عورتوں سے بیعت لی تھی۔ اور اس قسم کی بیعت کا ذکر قرآن پاک میں بھی ہے[1] طریقہ میں بیعت کرنے کی افادیت بیان کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے کہ یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے کہ اگر کسی شخص کو ایک ہی نصیحت مختلف لوگ کریں تو اس کا اثر نصیحت کرنے والے کی شخصیت کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے، اگر نصیحت کرنے والا اعلیٰ کردار شخصیت کا مالک ہے تو اس کی نصیحت کا اثر نصیحت سننے والے پر بہت زیادہ ہوگا۔

شاہ ولی اللہ نے مرشد کے لئے پانچ شرطیں معین کی ہیں، اولاً یہ کہ وہ اسلامی تعلیمات سے بخوبی واقف ہو دوم وہ عدل اور تقویٰ پر سختی سے کاربند ہو، سوم وہ دنیاوی مصالح سے مغلوب نہ ہو، چہارم وہ اپنے مریدوں کو دین کے اوامر و نواہی کے مطابق ہدایت کرے اور پنجم، اس نے کسی بزرگ تر مرشد سے مکمل تربیت حاصل کی ہو مصنف نے مریدوں کے لئے بھی چند شرائط کا تعین کیا ہے، جن میں بہت اہم شرط یہ ہے کہ وہ عاقل و بالغ ہو اور جس شخص کو وہ اپنا مرشد بنالے اس پر پختہ اعتقاد رکھتا ہو۔

اس کے بعد مصنف نے یہ بیان کیا ہے کہ بیعت کس طرح کی جاتی ہے، انہوں نے لکھا ہے کہ مرشد اپنے

---

[1] قرآن حکیم ۹: ۱۱۲، ۴۸: ۱۰، ۱۸، ۶۰: ۱۲

ہونے والے مرید کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے اور اس سے کلمہ طیبہ پڑھوائے، پھر گزشتہ گناہوں سے توبہ کرائے اور اس سے یہ عہد لے کہ آئندہ جہاں تک ممکن ہو سکے گا وہ گناہوں سے بچا رہے گا

آخر میں مصنف نے صوفیا کے اس سلسلہ کے اعمال و اشغال کا ذکر کیا ہے جس سے خود ان کا تعلق تھا۔

شاہ ولی اللہ اپنے عہد کے سب سے بڑے محدثین میں شمار کئے جاتے ہیں، اور ان کی یہ کتاب مستند و معتبر سمجھی جاتی ہے۔

ارشاد الطالبین و تنبیہ المریدین از قاضی ثناء اللہ پانی پتی

یہ کتاب قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے لکھی ہے جن کا ذکر تفسیر مظہری کے مصنف کی حیثیت سے کیا جا چکا ہے یہ تصنیف چھ حصوں میں منقسم ہے اور ہر حصہ کا نام "کتاب" رکھا گیا ہے۔ ان کتابوں کے موضوع حسب ذیل ہیں

کتاب اول	ولایت
کتاب دوم	مریدوں کے فرائض
کتاب سوم	مرشدوں کے فرائض
کتاب چہارم	روحانی ترقی اور حصول ولایت
کتاب پنجم	قرب الٰہی کے مختلف مدارج
کتاب ششم	فضائل و اوصاف اولیائے کبار (مثلاً حضرت عبدالقادر جیلانی، حضرت بہاالدین نقشبندی، حضرت مجدد الف ثانی، سید احمد سرہندی ان کے فرزندان اور خود مصنف کے مرشد مرزا جان جاناں)

ان میں سے ہر ایک کتاب کی مزید تقسیم کئی ابواب میں کی گئی ہے۔ جن میں تصوف سے متعلق دلچسپ اور مفید موضوعات پر اظہار خیال کیا گیا ہے

مصنف اپنے زمانے کے ایک بڑے عالم دین تھے اور راسخ العقیدہ لوگوں کے نزدیک یہ کتاب مستند اور معتبر ہے۔

علم التصوف

التحفة المرسلة الی النبیؐ از محمد بن فضل اللہؒ

اس کتاب کے مصنف محمد بن فضل اللہ ہیں (۱۰۲۹ھ ۔ ۱۶۲۰ء) جو ایک صوفی اور عالم وجیہہ الدین گجراتی کے مرید تھے۔ اس کا تعلق مسئلہ وحدت الوجود سے ہے مصنف کا یہ نظریہ ہے کہ صرف خدا ہی ایک وجود ہے۔ اور یہ وجود اگرچہ واحد ہے۔ مگر مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ وجود تمام موجودات کی اصل حقیقت ہے اور اس اعتبار سے یہ وجود نہ تو کسی پر منکشف کیا جا سکتا ہے اور نہ ذہن اس کا احاطہ کر سکتا ہے۔

اس وجود کے مندرجہ ذیل سات مدارج ہیں :۔

پہلا درجہ ہے وجودِ مطلق۔ وجود بے قید و بے صفات۔ یہ درجہ احدیت کہا جاتا ہے اور حقیقت حقہ ہے

دوسرا درجہ پہلی تقیید کا ہے۔ جس کا مقصد و مفہوم اس وجود کی ذات اور اس کی صفات اور مستقبل کی تمام مخلوقات کا اجمالی عرفان ہے یہ درجہ الوحدت کہا جاتا ہے اور یہ حقیقت محمدی ہے۔

تیسرا درجہ دوسری تقیید کا ہے جس کا مقصد و مفہوم اس وجود کی ذات اور اس کی صفات اور کائنات کا مفصل علم ہے اور یہ درجہ واحدیت کہا جاتا ہے اور یہ حقیقت انسانی ہے۔ اور یہ تینوں درجات ابدی قرار دیئے گئے ہیں

چوتھا درجہ ارواح کا ہے یعنی مجرد اور مفرد اشیاء۔ پانچواں درجہ عالم الامثال کا ہے۔ یعنی مرکب اشیاء مگر اتنی لطیف کہ تقسیم نہیں کی جا سکتی۔ چھٹا درجہ عالم الاشال کا ہے۔ یعنی مرکب اشیاء جو مادی ہیں اور اس لئے قابلِ تقسیم ہیں۔ ساتواں درجہ مذکورہ بالا تمام مدارج کا خلاصہ ہے۔ یہ آخری تقسیم ہے اور اس کو انسان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

پہلے تین مدارج کے نام ایک ہی مصدر احد کے مشتقات ہیں۔ جس کے معنی ہیں ایک۔ لسانی اعتبار سے ان تینوں لفظوں کے معنی میں فرق نہیں۔ مگر مصنف نے اپنا مطلب بیان کرنے کے لئے ان کو اس طرح استعمال کیا ہے گویا ان کے معنوں میں کچھ نہ کچھ فرق ہے یہی صورت پانچویں اور چھٹے مدارج یعنی عالم المثال اور عالم الاشال کے معنوں کی ہے۔

مصنف نے لکھا ہے کہ یہ وجود یعنی خالق نہ مخلوقات سے متصل ہے نہ منفصل ہے نہ ان میں شامل ہے

ورنہ اس کا نتیجہ کثرتِ وجود ہوگا۔ مزید یہ کہ کائنات اور اس میں جو کچھ بھی ہے عرض ہے اور جوہر صرف وجود خالق ہے۔ یہ نظریہ کہ خدا جوہر ہے اشعریوں کے اس عام نظریہ کے خلاف ہے کہ خدا نہ جوہر ہے نہ عرض ہے۔

اس کے بعد مصنف نے ان لوگوں کے تین طبقے قرار دیئے ہیں جو نظریۂ وحدت الوجود کے قائل ہیں، ایک طبقہ وہ ہے جو یہ یقین رکھتا ہے کہ خالق تمام مخلوقات کی حقیقت ہے۔ مگر مخلوقات میں خالق کو نہیں دیکھتا۔ دوسرا طبقہ وہ ہے جو مخلوقات میں خالق کو دیکھتا ہے مگر خالق میں مخلوقات کو نہیں دیکھتا۔ اور تیسرا طبقہ وہ ہے جو خالق میں مخلوقات اور مخلوقات میں خالق کو دیکھتا ہے۔ اس تیسرے طبقہ میں مصنف نے انبیاء اور اقطاب کو شامل کیا ہے۔

آخر میں مصنف نے نظریۂ وحدت الوجود کی تائید میں قرآن اور حدیث سے حوالے دیئے ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔ ان سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس نظریہ کی تائید میں مصنف نے قرآن اور حدیث سے کس قسم کی تائید اخذ کی ہے۔

(ا) قرآنی آیات

(۱) لله المشرق والمغرب	مشرق اور مغرب اللہ ہی کے ہیں
(۲) فاینما تولوا فثم وجه الله	پس تم جدھر رُخ کروگے وہیں اللہ کی ذات موجود ہوگی
(۳) نحن اقرب الیه من حبل الورید	ہم انسان سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔
(۴) وهو معکم اینما کنتم	تم جہاں بھی ہوگے وہ تمہارے ساتھ ہی ہوگا۔
(۵) هو الاول والآخر والظاهر والباطن	وہ اول بھی ہے آخر بھی، ظاہر بھی اور باطن بھی

(ب) حدیث

(۱) ان احدکم اذا قام الی الصلوٰة فانما یناجی ربه فان ربه بینه وبین قبلته۔	تم میں کا کوئی آدمی جب نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے کیونکہ اس کا رب اس کے اور اُس کے دل کے درمیان ہوتا ہے۔
(۲) ولا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبه فاذا احببته کنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصر به	میرا بندہ نوافل کے ذریعے برابر میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے تا آنکہ میں اُسے پسند کرنے لگتا ہوں اور میں اُسے پسند کر لیتا ہوں تو اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔

ایسے مستند حوالوں کی بنا پر یہ نظریہ مشکوک معلوم ہونے لگتا ہے کہ وحدت الوجود کا تصور اسلام میں بیرونی اثرات کے تحت داخل ہُوا۔ اور بخوبی یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اگر اسلام پر بیرونی اثرات کے دروازے بالکل بند کر دیئے جاتے تب بھی اسلام میں وحدت الوجود کا نظریہ اخذ کر لیا جاتا۔ اس کتاب کی اہمیّت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس پر کم از کم تین شرحیں لکھی گئی ہیں[1]

عقائد الموحدین — از عبد الکریم بن محمد لاہوری

اس کتاب کے مصنّف عبد الکریم بن محمد لاہوری شیخ نظام الدین بلخی کے مرید تھے۔ وہ ایک عالم صوفی تھے اور سلسلۂ چشتیہ سے وابستہ تھے۔ انہوں نے تصوّف پر متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ یہ کتاب جس طرز پر لکھی گئی ہے وہ علم الکلام کہلاتا ہے اور اس میں صوفیوں کے مسلک کو متکلمانہ انداز میں بیان کیا گیا ہے اور یہ مندرجہ ذیل نو ابواب میں تقسیم کی گئی ہے۔

(۱) ریاکاری (۲) ارتداد (۳) پیری (۴) مریدی (۵) روحانی مرشد سے مرید کا تعلق (۶) محبت اور اخلاص (۷) وجود اور عدم (۸) ذکر (۹) وحدت الوجود۔

مصنّف نظریۂ وحدت الوجود کے زبردست حامی تھے اور اپنے عقائد کی تائید میں ایک منطقی دلیل پیش کی ہے جسے بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ خدا منزہ عن الحدود والنہایہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شے اس سے خالی نہیں۔ بہ شکل دیگر معنی یہ ہوں گے کہ خدا اشیاء کے حدود تک محدود ہے۔ اور اشیاء از خود موجود ہیں۔ اپنے نظریہ کی تائید میں انھوں نے یہ حدیث بھی پیش کی ہے۔

کان اللہ فی الازل ولم یکن معہ شیٔ وھو الاٰن علی ما کان

ازل میں اللہ ہی تھا اور اس کے ساتھ کوئی شے نہ تھی اور ہنوز وہ اسی طرح (تنہا) ہے

انفاس الخواص — از محب اللہ الٰہ آبادی

یہ کتاب محب اللہ الٰہ آبادی نے لکھی ہے جن کا تذکرہ ترجمۃ الکتاب کے مصنّف کی حیثیت سے کیا جا چکا ہے۔ یہ کتاب نامور صوفی ابن عربی کی مشہور تصنیف فصوص الحکم کے طرز پر لکھی گئی ہے۔

---

[1] بروکلمین کی تاریخ عربی ادبیات جلد ۲ - صفحہ ۴۱۸

یہ ۸۱ حصّوں میں منقسم ہے۔ جن کا نام "انفاس" رکھا گیا ہے اور ہر نفس کا نام اس نبی یا ولی کے نام پر رکھا گیا ہے۔ جس کی تعلیمات کی باطنی تاویل اور سوانح حیات پر یہ نفس مشتمل ہے۔ کتاب کا آغاز النفس الاحمدی سے ہوتا ہے اور یہ نام الحقیقت الاحمدیہ کے نام پر رکھا گیا ہے۔ اس کے بعد انفاس الانبیاء ہیں جو حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت ادریسؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ اور آخری نبی حضرت محمدؐ تک مختلف انبیاء کے ناموں سے معنون کئے گئے ہیں۔ اس کے بعد چاروں خلفاء راشدین سے منسوب انفاس ہیں پھر مختلف مقامات کے بعض مشہور اولیا کے انفاس شروع ہوتے ہیں اور اس سلسلہ کا آخری نفس مصنّف کے مرشد ابوسعید بن نور بن علی بن عبدالقدوس کے نام سے منسوب ہے۔ ہر نفس کی ابتدا اس نبی یا ولی کے کسی قول سے ہوتی ہے جس کے نام پر نفس معنون کیا گیا ہے۔ انبیاء سے متعلق انفاس میں ان کے وہ اقوال درج کئے گئے ہیں جو قرآن پاک میں مذکور ہیں مثلاً نفس آدمؑ کا آغاز اس قول سے ہوا ہے وقال ابو البشر آدم صفی اللہ ربنا ظلمنا انفسنا۔ نفس ادریسؑ کا آغاز اس قول سے کیا گیا ہے، قال ادریس علیہ السلام سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ الخ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور نفس نوحؑ کے آغاز میں یہ قول درج ہے، قال نوح لقومہ یا قوم اعبدوا اللہ ما لکم من الہ الخ..

فصوص الحکم کی طرح یہ کتاب بھی شروع سے آخر تک متصوّفانہ مباحث اور وجدانی تصورات پر مشتمل ہے۔ اور اس میں نظریۂ وحدت الوجود کی پُرزور وکالت کی گئی ہے۔

التسویۃ بین الافادۃ والقبول از محب اللہ الہ آبادی

یہ کتاب بھی محب اللہ الہ آبادی نے لکھی ہے۔ یہ ایک فلسفیانہ بحث پر مشتمل مختصر سا رسالہ ہے جس میں مصنّف نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ کوئی مخلوق اللہ سے مغائر نہیں ہے۔ ہند کے ایک مشہور فلسفی اور محب اللہ کے ہم عصر ملا محمود جونپوری نے اس رسالہ کی تردید میں ایک رسالہ لکھا تھا۔ اور پھر اس رسالہ کی تردید محب اللہ کے ایک شاگرد حبیب اللہ نے کی[۱]۔ التسویہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی متعدد شرحیں لکھی گئی ہیں جن میں سے ایک شرح مشہور عالم امان اللہ بنارسی کی لکھی ہوئی ہے جو محب اللہ بہاری کے ہم جماعت تھے اور مولوی عبدالحلیم لکھنوی نے بھی اس کتاب پر حاشیے

---

[۱] یہ دونوں نزاعی رسائل مولانا محب اللہ کے جانشین کے پاس موجود ہیں۔

لکھے ہیں۔

المغالط العامة — از محب اللہ الہ آبادی

اس کتاب کے مصنف بھی محبّ اللہ الہ آبادی ہیں یہ ایک ضخیم تصنیف ہے جو ایک باب اور ۲۴ حصّوں پر مشتمل ہے جن کا نام "مغالط" رکھا گیا ہے۔ کتاب کا مقدمہ بجائے خود ایک مستقل تصنیف ہے۔ اس کا عنوان ہے اعانة الاخوان اور یہ ۱۵ ابواب میں تقسیم کی گئی ہے۔ مصنّف نے یہ لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے متصوفانہ نظریات اور عقائد لوگوں کے سامنے بیان کئے تو انھوں نے یہ خواہش کی کہ وہ اصل حقیقت سے ناآشنا لوگوں کے پیدا کردہ مغالطے رفع کریں۔ چنانچہ یہ کتاب اسی مقصد سے لکھی گئی ہے۔

عقائد الخواص — از محب اللہ الہ آبادی

یہ کتاب بھی محبّ اللہ الہ آبادی کی تصنیف ہے، اور جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے اس میں علما اور صوفیا کے عقائد واضح کئے گئے ہیں۔ یہ ۱۲ حصّوں میں تقسیم کی گئی ہے جن کا نام "دقائق" رکھا گیا ہے اور ان میں دینی موضوعات کی متصوفانہ تاویلات اور باطنی تشریحات کی گئی ہیں۔ جن موضوعات پر بحث کی گئی ہے۔ ان میں سے چند یہ ہیں۔ اللہ تعالےٰ صفات باری تعالےٰ دینی فرائض، سزا و جزا، اوامر و نواہی انسانی اعمال مشیّت الٰہی، منصب نبوت، ملائکہ، حشر، روح ایمان، رحم، عذاب قبر اور امامت وغیرہ۔ مصنّف نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ کتاب جن دقائق پر مشتمل ہے ان کے پیشِ نظر اس کو "دقائق العرفا" بھی کہا جا سکتا ہے۔

متصوّفانہ شاعری

هداية الاذكياء الى طريق الاولياء — از زین الدین بن علی المعبری

اس منظوم رسالہ کے مصنّف زین الدین بن علی المعبری، زین الدین بن عبد العزیز کے دادا تھے جن کا ذکر قرة العین اور فتح المعین کے مصنّف کی حیثیت سے کیا جا چکا ہے۔ یہ نظم بہت قدر کی نگاہ سے دیکھی گئی اور دو علماء ابو بکر مکی اور جاوا کے نوادی نے اس کی مفصّل شرح لکھی۔ ان میں سے ایک شرح میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ زین الدین اس بارے میں کوئی تصفیہ نہ کر سکتے تھے کہ وہ دینیات کا مطالعہ کریں

یا تقویٰ کا۔ ایک مرتبہ رات کو انھوں نے ایک شخص کو خواب میں دیکھا جس نے ان سے کہا کہ وہ تصوف کو ترجیح دیں چنانچہ اگلی صبح کو انہوں نے یہ نظم لکھی جس میں ۱۸۰ اشعار ہیں۔ یہ نظم ایک قصیدہ کی شکل میں ہے یہ بحر الکامل میں لکھی گئی ہے اور ل حرف روی ہے۔

شاعر نے حمد اور صلوٰۃ کے بعد یہ بیان کیا ہے کہ تقویٰ حقیقی مسرت کا سرچشمہ اور راہِ نجات ہے۔ منزل مقصود تک پہنچنے کا صحیح ذریعہ شریعت، طریقت اور حقیقت ہیں اور اس نظریہ کی تشریح ایک استعارہ میں کی ہے۔ یعنی شریعت ایک کشتی کے مانند ہے۔ طریقت سمندر کے مانند ہے اور حقیقت موتی کی مانند۔ جو شخص موتی حاصل کرنے کا آرزومند ہے اسے چاہیئے کہ کشتی میں سوار ہو اور سمندر میں غوطہ لگائے۔ اس کے بعد مختلف اوصاف مثلاً توبہ، قناعت، اخلاص، توکل، ضبط نفس وغیرہ کی تشریح کرتے ہوئے اُن کو حقیقت تک رسائی کے لئے لازمی قرار دیا گیا ہے۔ مندرجہ ذیل اشعار سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ نظم کس قسم کی ہے۔

الحمد للّٰہ الموفق للعلا	حمداً یوافی برہ المتکاملا
ثم الصلوٰۃ علی الرسول المصطفٰے	والآل مع صحب واتباع الولا
تقویٰ الالٰہ مدار کل سعادۃ	وتباع اھوا رأس شرھا ئلا
ان الطریق شریعۃ وطریقۃ	وحقیقۃ فاسمع لھا ما مثلا
فشریعۃ کسفینۃ وطریقۃ	کالبحر ثم حقیقۃ در غلا
فشریعۃ اخذ بدین الخالق	وقیامہ بلا مر والنھی انجلا
وطریقۃ اخذ باحوط کالورع	وعزیمۃ کریاضۃ متبتلا
وحقیقۃ لوصولہ للمقصد	ومشاھد نور التجلی بانجلا
من رام دار السفینۃ یرکب	ویغوص بحرًا ثم در احصلا
فکذا الطریقۃ والحقیقۃ یا اخی	من غیر فعل شریعۃ لن تحصلا
من رام ان یسلک طریق الاولیاء	فلیحفظن ھذی الوصایا عاملا

تصوف کے معمولات ومشاغل

الجواھر الخمسۃ از محمد بن خطیر الدین ترجمہ صبغت اللہ

اصل کتاب فارسی میں محمد بن خطیر الدین نے لکھی تھی جو غوث گوالیاری کے نام سے معروف ہیں اور عربی

میں اس کا ترجمہ ان کے ایک مرید کے مرید صبغت اللہ نے کیا جو گجرات میں بروچ کے باشندہ تھے[1]
یہ کتاب پانچ حصوں میں تقسیم کی گئی ہے جن کا نام "جواہر" رکھا گیا ہے اور ان میں صوفی کی تدریجی ترقی کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ پہلا حصہ ریاضت و عبادت کے مختلف معمولات و مشاغل سے متعلق ہے۔ دوسرے حصہ میں ریاضت کے اعلیٰ مدارج بیان کئے گئے ہیں تیسرا حصہ سب سے اہم ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کے ۹۹ ناموں سے مختص کردہ ریاضات کے طریقے بیان کئے گئے ہیں۔ یہ بیان بہت زیادہ فنی نوعیت کا ہے اور اس کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو اس قسم کے متصوفانہ ادب اور علم نجوم سے بخوبی واقف ہیں۔ کیونکہ ان ریاضتوں کے قواعد کے ساتھ ساتھ علم نجوم کی رو سے قابل لحاظ امور بھی بیان کئے گئے ہیں۔ اس چیز کو اسلامی تصوف پر ہندی اثرات کا نتیجہ کہا جا سکتا ہے کیونکہ علم نجوم اور تصوف میں درحقیقت کوئی تعلق نہیں۔ ان مشقوں کے بارے میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ ان کا تعلق ستاروں کی گردش وغیرہ سے ہے۔ مثال کے طور پر ایک خاص مشق کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ اس کا اثر صرف اس وقت ہوتا ہے جب یہ ایسے وقت کی جائے کہ ایک خاص ستارہ ایک خاص جگہ پر ہو۔

چوتھا حصہ شطاریہ سلسلہ میں روحانی تربیت کے طریق و مشاغل کے بارے میں ہے۔ خود مصنف کا تعلق بھی اسی سلسلہ سے تھا۔ پانچواں حصہ ان لوگوں کے اوصاف و فضائل سے متعلق ہے جو حقیقت و صداقت کے جویا ہوتے ہیں۔

---

[1] ڈاکٹر لوتھ نے جو انڈیا آفس لائبریری کی عربی مخطوطات کی فہرست کے مرتب ہیں۔ یہ لکھا ہے کہ یہ کتاب عربی میں ہی اصل مصنف نے لکھی ہے۔ لیکن یہ خیال درست نہیں۔ مترجم نے مصنف کا شجرہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ وجیہ الدین کے مرشد تھے جن کا میں مرید ہوں۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ "میں" یعنی مترجم اور "وہ" یعنی مصنف دو الگ شخصیتیں ہیں۔ لوتھ کا یہ خیال ہے کہ اس کتاب کی نقل مصنف کے مرید نے کی تھی اسی لئے وہ سمجھتا ہے کہ یہ جملہ اس کتاب کے کاتب کا لکھا ہوا ہے۔ مگر لوتھ کی رائے غلط ہے اس کتاب کا ایک اور مخطوطہ برلن لائبریری میں ہے جو ایک اور شخص نے نقل کیا ہے مگر اس میں بھی یہ فقرہ موجود ہے۔ اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ فقرہ کاتب کا بڑھایا ہوا نہیں ہے۔ بلکہ مترجم کا لکھا ہوا ہے۔ علاوہ ازیں آزاد اور دوسرے لوگوں نے بیان کیا ہے کہ صبغت اللہ اس کتاب کا معرب یعنی عربی میں اس کا ترجمہ کرنے والا تھا۔

الرسالۃ فی سلوک خلاصۃ السادات النقشبندیہ

از تاج الدین زکریا

یہ کتاب تاج الدین زکریا نے لکھی ہے (۱۰۵۰ھ — ۱۶۴۰ء) جو تصوف پر متعدد رسائل کے مصنف ہیں۔ انہوں نے جامی کے نفحات اور واعظ کاشفی کی رشحات کا عربی میں ترجمہ بھی کیا۔

پہلے باب میں مصنف نے سلسلۂ نقشبندیہ کا شجرہ درج کیا ہے۔ اس سلسلہ سے خود ان کا بھی تعلق تھا۔ پھر انہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ جس طرح بغیر باپ کے مادی اولاد کا ہونا ناممکن ہے اسی طرح مرشد کے بغیر روحانیت کا پیدا ہونا بھی ممکن نہیں اور جس شخص کا کوئی روحانی مرشد نہیں ہوتا اس کا رہنما شیطان بن جاتا ہے۔ دوسرے باب میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ وصال الٰہی کس طرح حاصل ہو سکتا ہے اور اس کے صرف دو طریقے بتلائے گئے ہیں۔ یا تو مستقل طور پر اولیا کی صحبت میں رہنے سے یا ذکر کرنے سے۔ اس کے بعد مصنف نے سلسلہ نقشبندیہ کے معمولات و مشاغل بیان کئے ہیں۔ اس سلسلہ کی مشقوں میں سب سے اہم سانس اندر لینے اور خارج کرنے کی مشقیں ہیں اس کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں آنکھیں بند کرے اور زبان کی نوک تالو سے لگا کے دل ہی دل میں لا الٰہ الا اللہ کا ورد اس طرح کرے کہ لا الٰہ کہتے وقت سانس اندر لے اور الا اللہ کہتے وقت سانس خارج کرے

اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ عبدالغنی النابلسی (۱۱۴۳ھ — ۱۷۳۰ء) نے اس کتاب کی بہت جامع شرح لکھی ہے جس کا نام ہے مفتاح المعیۃ فی الطریق النقشبندیہ۔

الہام — متصوفانہ ملفوظات

ملہمات :- از جمال الدین ہنسوی

صوفیا کے اقوال و ملفوظات پر مشتمل جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں یہ کتاب قابلِ ذکر ہے۔ اس کے مصنف جمال الدین ہانسوی ہیں جو سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی کے سلسلہ میں منسلک تھے۔ مصنف اپنے زمانہ کے ایک ممتاز صوفی اور امام ابوحنیفہ کی اولاد میں سے تھے۔ انہوں نے سلسلہ چشتیہ کی ایک ذیلی شاخ کی بنا ڈالی جو خود ان کے نام سے منسوب ہوئی ان کے اقوال لفظی اور معنوی ہر اعتبار سے دلکش اور تاثر آفریں ہیں جن کے نمونے درج ذیل ہیں۔

طالب الدنیا جاھل	طالب العقبیٰ عاقل	طالب المولیٰ کامل
طالب الدنیا مردود	طالب العقبیٰ مسعود	طالب المولیٰ محمود
طالب الدنیا مغرور	طالب العقبیٰ مسرور	طالب المولیٰ منصور
طالب الدنیا مغبون	طالب العقبیٰ ممنون	طالب المولیٰ مامون
طالب الدنیا ھالک	طالب العقبیٰ ممالک	طالب المولیٰ مالک
طالب الدنیا ذلیل	طالب العقبیٰ جلیل	طالب المولیٰ خلیل (الخ)

ایک اور عبارت میں انہوں نے اصلی فقیر کی خوبیاں واضح کرتے ہوئے بہت دلکش انداز میں تمام اوصاف یکجا کردئے ہیں۔ یہ عبارت درج ذیل ہے۔

الفقر خلق ۔۔۔۔۔۔

مصنف کے مندرجہ ذیل اقوال بھی قابلِ ذکر ہیں۔

روحِ صلوٰۃ :۔

(الف) الصلوٰۃ کالجسد والحضور کالروح وکل صلوٰۃ لیس فیھا الحضور لیس فیھا الروح۔

نماز بدن کی مانند ہے اور حضورِ قلب مثل روح کے ہے اور جس نماز میں حضور نہ ہو اس میں کوئی روح نہیں۔

(ب) فضیلتِ ذکر :۔

الذکر ثلثۃ احرف الذال والکاف والراء فالذال عبارۃ عن الذکاء والکاف عبارۃ عن الکیاسۃ والراء عبارۃ عن الرقۃ فمن ذکر المولیٰ لصار ذکی القلب وکیس النفس وصاحب الرقۃ۔

ذکر میں تین حرف ہیں۔ ذ۔ ک اور ر۔ حرف ذ عبارت ہے ذکاء سے۔ حرف ک عبارت ہے کیا ست سے اور حرف ر عبارت ہے رقت سے۔ اس طرح جو کوئی ذکر مولیٰ میں مشغول ہوتا ہے وہ ذکی القلب۔ کیس النفس اور صاحب الرقہ ہو جاتا ہے۔

(ج) زاہد و عارف میں فرق :۔

الزاھد یطھر ظاھرہ بالماء	والعارف یطھر باطنہ من الھوی
الزاھد تارک الدنیا للعقبیٰ	والعارف تارک العقبیٰ للمولیٰ

الزاهد يقطع السبيل	والعارف بالغ المنزل وقد ترک الرحيل
زاہد اپنے ظاہر کو پانی سے پاک کرتا ہے	اور عارف اپنے باطن کو ہوا (ہوس) سے پاک کرتا ہے۔
زاہد عقبیٰ کے لئے دنیا کو ترک کر دیتا ہے	اور عارف مولا کے لئے عقبیٰ کو ترک کر دیتا ہے۔
زاہد ابھی راستہ طے کر رہا ہے	اور عارف منزل پہ پہنچ کر سفر ختم کر چکا ہے

(ج) عارف کے اوصاف:

حرفة العارف ستة الاشياء	چھ چیزیں عارف کا پیشہ ہیں۔
(۱) اذا ذکر الله افتخر	جب اللہ کو یاد کرتا ہے تو فخر کرتا ہے۔
(۲) اذا ذکر نفسه احتقر	جب اپنی ذات کو یاد کرتا ہے تو تحقیر کرتا ہے
(۳) اذا نظر فی آیات الله اعتبر	جب اللہ کی نشانیوں پر نظر ڈالتا ہے تو عبرت حاصل کرتا ہے۔
(۴) اذا هم بمعصية او شهوة انزجر	جب کسی گناہ یا خواہش کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے باز رہتا ہے
(۵) اذا ذکر الله استبشر	جب اللہ کو یاد کرتا ہے تو خوش ہوتا ہے۔
(۶) اذا ذکر ذنوبه استغفر	جب گناہوں کو یاد کرتا ہے استغفار کرتا ہے۔

یہاں زبان کی جو خوبی ہے محتاج بیان نہیں۔ یہ پوری کتاب ایسے ہی متصوفانہ اقوال سے بھری ہوئی ہے۔ جو پاکیزہ خیالات اور خوش بیانی کا دلکش مرقع ہیں۔

بقیہ: صاحب کشف المحجوب اور مسئلہ سماع

کیا سامعین کا فرض ہے؟

ان سطور سے ہمارا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ سماع کے بارے میں صاحب کشف المحجوب نے جو کچھ لکھا ہے اس کی حیثیت محض کتابی ہی نہیں، فقط ایک مسئلہ تصوف کی نہیں، بحث برائے بحث کی نہیں بلکہ ایک اصلاحی دستاویز کی بھی ہے جس کا تعلق ہر صاحب ایمان کی روزمرہ زندگی سے ہے اور ہر انسان کی اس حس لطیف سے ہے جسے عرفِ عام میں ذوقِ سماع کہا کرتے ہیں۔